تفسیر التحریر والتنویر کی روشنی میں قرآن کریم کے اسلوب استفہام کا تنقیدی فکر اور تشکیل علم میں کردار: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Role of the Qur'an's Interrogative Style (Uslub al-Istifham) in Critical Thinking and Knowledge Construction: An Analytical Study in Light of Tafsir "Al-Tahrir wa al-Tanwir"

Maria Khalid
PhD Research Scholar, Department of Quran and Tafseer,
Faculty of Arabic and Islamic Studies AIOU, Islamabad
Email: mariasaqib111@gmail.com
Dr Sanaullah Hussain
Associate Professor, Chairman Department of Quran and Tafseer,
Faculty of Arabic and Islamic Studies AIOU, Islamabad
Email: sana.ullah@aiou.edu.pk

Abstract

The Holy Quran is the divine revelation of Allah, free from doubt and unmatched in its authority, offering complete guidance for human life. As a religion of fitrah and moderation, Islam encourages reflection (tafakkur) and contemplation (tadabbur) as essential means to understand its message. The Quran addresses human beings through diverse rhetorical styles, including promise and warning, narratives, and especially the interrogative style (uslub al-istifham), which stimulates reflection, affirms truth, and challenges false assumptions without necessarily seeking direct answers.

The interrogative style plays a vital role in developing critical thinking by encouraging analysis, reasoning, evidence-based understanding, and rejection of blind imitation (taqlid). It transforms the mind from passive acceptance to active inquiry, thereby contributing to the construction of knowledge through reflection, deduction, and intellectual engagement.

This study examines the interrogative style of the Quran in relation to critical thinking and knowledge construction in the light of Allama Ibn Ashur's tafsir Al-Tahrir wa-l-Tanwir. Ibn Ashur emphasizes that this style is not merely rhetorical but serves to awaken intellect, guide reasoning, and establish sound epistemological foundations by encouraging reflection and independent thought.

Keywords: Quran, Interrogative Style, Critical Thinking, Knowledge Construction, Ibn Ashur, Tadabbur

قرآنِ کریم اللہ عزوجل کی جانب سے نازل کردہ وہ بابرکت کتاب ہے

جو شک و شبہ سے پاک اور بے مثال ہدایت پر مشتمل ہے۔ اسلام فطرت اور اعتدال کا دین ہے جو فہمِ قرآن کے لیے تفکر اور تدبر کو بنیادی ذریعہ قرار دیتا ہے۔ قرآن انسان کو مختلف اسالیب کے ذریعے مخاطب کرتا ہے جن میں وعد و وعید، تبشیر و انذار، قصص و امثال اور خصوصاً اسلوبِ استفہام شامل ہے، جو غور و فکر کو ابھارتا ہے اور ذہن کو سوال کے ذریعے بیدار کرتا ہے۔ اسلوبِ استفہام تنقیدی فکر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ یہ انسان کو غور و فکر، استدلال اور تجزیہ کی سمت پر گامزن کرتے ہوئے جمود اور اندھی تقلید سے اجتناب کی طرف لے جاتا ہے۔ اس طرح ذہن جامد معلومات سے نکل کر تحقیق اور استدلال کے عمل میں داخل ہوتا ہے اور علم کی تشکیل ایک فعال ذہنی عمل بن جاتا ہے۔ یہ مطالعہ علامہ ابن عاشور محمد الطاہر ابن عاشور کی تفسیر التحریر والتنویر کی روشنی میں اسلوبِ استفہام کے تنقیدی فکر اور تشکیلِ علم سے تعلق کا تجزیہ پیش کرتا ہے، جس میں وہ اسلوبِ استفہام کو محض بلاغی انداز میں نہیں بلکہ عقل کو بیدار کرنے اور علمی بنیادیں قائم کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: قرآن، اسلوبِ استفہام، تنقیدی فکر، تشکیلِ علم، ابن عاشور، تدبر

تعارف

قرآن کریم وہ معجزاتی کتاب ہے جو ہر انسان کے لیے قیامت تک سرچشمہ ہدایت ہے۔ قرآن میں انسانی سوچ کو بیدار کرنے اور اس کی فکری صلاحیتوں کو متحرک کرنے کے لیے مختلف اسالیب دکھائی دیتے ہیں انہی میں ایک نہایت اہم اسلوب "اسلوبِ استفہام" ہے جو ظاہراً سوالیہ انداز اختیار کرتا ہے، لیکن درحقیقت یہ غور و فکر، تنبیہ، تنقید اور حقیقت کی طرف رہنمائی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ قرآن کا اسلوبِ استفہام انسان کو اندھی تقلید سے نکال کر تحقیق، دلیل، تجزیہ اور استدلال کی جانب توجہ دلاتا ہے، جس سے انسان میں تنقیدی فکر کی صلاحیت پروان چڑھتی ہے اور علم کی تشکیل ایک منظم اور مرحلہ وار عمل بن جاتا ہے۔ اس فکری جہت کو سمجھنے میں مفسرین نے اہم کردار ادا کیا ہے، خصوصاً علامہ ابن عاشور محمد الطاہر ابن عاشور نے اپنی تفسیر التحریر والتنویر میں قرآن کے اسلوب استفہام کے فکری، تربیتی، علمی اور معرفتی پہلوؤں کو نہایت احسن انداز میں اجاگر کیا ہے، زیر نظر تحقیقی مقالہ میں قرآن کے اسلوبِ استفہام کے ذریعے تنقیدی فکر اور تشکیل علم کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ قرآن انسانی عقل پر لگے قفل کس طرح کھولتا ہے اور کیسے اس کی سوچ کو فعال، متحرک اور علمی طور پر منظم کرتا ہے۔

علامہ ابن عاشور کا تعارف

آپ کا نام ونسب محمد الطاهر بن محمد بن محمد الطاهر بن الشاذلي بن عبد القادر محمد بن عاشور الشريف الأندلسي التونسی ہے۔ عام طور پر طاہر بن عاشور کے نام سے مشہور ہیں۔[1]

ولادت

علامہ ابن عاشور 1879ء میں تیونس کے نواحی علاقے "المرسی" میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

ابتدا ہی سے امام ابن عاشور کی پرورش ایک علمی ماحول میں ہوئی، چھ سال کی عمر میں قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی قرآن کریم مکمل حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ متعدد علمی متون بھی یاد کیے اور فرانسیسی زبان کی ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی۔ 1893ء میں آپ نے جامع زیتونہ میں داخلہ لیا، جہاں فقہ، تفسیر، حدیث، عربی زبان اور دیگر شرعی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ مسلسل محنت اور علمی جدوجہد کے بعد 1899ء میں شہادتِ تطویع حاصل کی، جو اس زمانے میں ثانوی تعلیم کی تکمیل کا درجہ رکھتی تھی اور اس کے حامل کو جامع زیتونہ کے ابتدائی درجات میں تدریس کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔[2]

وفات

علامہ ابن عاشور نے بھرپور علمی زندگی بسر کی اور اپنی زندگی میں تدریس، تحقیق، تصنیف اور امت کی اصلاح کے بہترین کارنامے سر انجام دیے۔ آپ کا انتقال اتوار، 13 رجب 1393ھ (1973ء) کو تیونس میں تقریباً 97 سال کی عمر میں ہوا۔[3]

تفسیر التحریر والتنویر کا تعارف

تفسیر "التحریر والتنویر" علامہ ابن عاشور کی عظیم ترین علمی خدمات اور نمایاں تصنیفی کارناموں میں شمار ہوتی ہے۔ انہوں نے قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر لکھی جو 30 اجزاء پر محیط ہے اور متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اس تفسیر کا مختصر نام "التحریر والتنویر" رکھا گیا، جبکہ اس کا مکمل عنوان "تحرير المعنى السديد وتنوير العقل الجديد من تفسير الكتاب المجيد" ہے۔ یہ نام خود علامہ ابن عاشور نے تجویز کیا تھا۔

مدتِ تصنیف: علامہ ابن عاشور نے اس تفسیر کی تصنیف کا آغاز تقریباً پینتالیس سال کی عمر میں کیا اور اس کی تکمیل میں تقریباً چالیس سال صرف کیے۔ اس طویل مدت کے دوران انہوں نے نہایت گہرائی، تحقیق اور تدبر کے ساتھ قرآنِ کریم کی آیات کی تشریح و توضیح کی۔[4]

تفسیر کا عمومی منہج

تفسیر التحریر والتنویر مجموعی طور پر ایک بلاغی، بیانی، لغوی اور عقلی تفسیر ہے، دورانِ تفسیر وہ مختلف قراءات، فقہی مسائل، بلاغی نکات، نحوی مباحث اور دیگر علمی پہلوؤں پر بھی مفصل گفتگو کرتے ہیں۔[5]

استفہام کی لغوی تعریف

الاستفهام مشتق من الفهم معناه العلم والمعرفه بالقلب، يقال فهمت الشيء افهمه،[6]

(استفہام "فہم" سے مشتق ہے، اس کا معنی دل کے ذریعے علم اور معرفت کا حصول ہے۔ کہا جاتا ہے: میں نے کسی چیز کو سمجھا)

واستفهمت فلانا الكلام طلبت منه ان يفهمني اياه فافهمني وفهمني اياه اي ان الاستفعال هنا للطلب[7]

(میں نے کسی شخص سے کلام کے سمجھانے کا مطالبہ کیا کہ وہ مجھے وہ بات سمجھادے پس اس نے مجھے وہ بات سمجھادی یعنی یہاں باب استفعال طلب کے معنی میں ہے)

الاستفهام:هو طلب الفهم، واما الاستفهام في النحو فهو اسلوب يطلب به العلم بشيء مجهول، كقولك هل لديك نقود؟ فتجيب السائل بالنفي او الايجاب"[8]

(استفہام کے لغوی معنی کسی چیز کو سمجھنے کی طلب ہے بہر حال علم النحو کی اصطلاح میں استفہام ایسا اسلوب ہے جس کے ذریعے کسی مجہول چیز کا علم حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے تمہارا کہنا: کیا آپ کے پاس رقم ہے؟ تو مخاطب سوال کرنے والے کو نفی یا اثبات میں جواب دیتا ہے۔)

استفہام کی اصطلاحی تعریف

"والاستفهلام فی الاصطلاح: طلب المتكلم من مخاطبه أن يحصل فی الذهن ما لم يكن حاصلا عنده مما سأله عنه"[9]

(اصطلاح میں استفہام سے مراد یہ ہے کہ متکلم کا اپنے مخاطب سے مطالبہ کرنا کہ جس کے بارے میں وہ سوال کر رہا ہے اور جو پہلے سے اس کے علم میں نہیں ہے اس کے ذہن میں اس چیز کا علم حاصل ہو۔)

ادوات الاستفهام

لغت عرب میں ادوات استفہام 13 ہیں۔ جو حروف اور اسماء میں منقسم ہیں۔ حروف استفہام تین ہیں: ھمزہ، ام اور ھل۔ جبکہ اسمائے استفہام دس ہیں: من ما، ماذا، ای، کم، کیف متی، ایان، این اور انی۔[10]

تنقیدی فکر کی تعریفات

لفظ "نقد" کی لغوی تعریف

عربی میں "نقد" کا اصل مفہوم جانچنا، پرکھنا، امتحان لینا، اور عمدہ و ناقص کے درمیان تمیز کرنا ہے۔ یہی لغوی معنی بعد میں علمی اصطلاح میں تنقیدی فکر (Critical Thinking) کی بنیاد بنتا ہے، کیونکہ اس میں بھی دلائل، آراء اور معلومات کو پرکھ کر صحیح اور غلط میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

"نَقَدَ، يَنْقُدُ، نَقْدًا الشيءَ: نَقَرَهُ لِيَخْتَبِرَهُ أَوْ لِيُمَيِّزَ جَيِّدَهُ مِنْ رَدِيئِهِ، فَهُوَ نَاقِدٌ"[11]

(نَقَدَ کا معنی ہے: کسی چیز کو ٹھونک بجا کر یا جانچ کر پرکھنا تاکہ اس کی حقیقت معلوم ہو یا اس کے عمدہ کو ناقص حصے سے ممتاز کیا جا سکے۔ پس ایسا کرنے والا ناقد کہلاتا ہے۔)

لفظ "نقد" کی اصطلاحی تعریف

تنقید ایک تعمیری عمل ہے جس کے ذریعے درست نتائج کا حصول اور حقیقت تک رسائی میں معاونت ملتی ہے۔ نقد کا مقصد محض کسی چیز کو رد کرنا یا اس میں عیب تلاش کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقی نقد غیر جانبدارانہ طریقے سے کسی کلام یا رائے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنا اور صحیح اور غلط میں فرق پیدا کرنا ہے۔

"هو فنُّ تمييزِ جيّدِ الكلامِ من رديئه، وصحيحه من فاسده."[12]

(نقد وہ فن جس کے ذریعے کلام کے عمدہ حصے کو ناقص سے اور صحیح کو فاسد سے ممتاز کیا جائے)

تنقیدی فکر نظم وضبط کے ساتھ اپنے فکری عمل کا تجزیہ، جانچ اور بہتری کا نام ہے تاکہ فکر زیادہ واضح، درست، منطقی اور منصفانہ ہو سکے۔[13] "تنقیدی فکر ایک بامقصد، خود نظم شدہ فیصلہ سازی کا ایسا عمل ہے جس میں تشریح، تجزیہ، تشخیص، استدلال اور نتائج کی وضاحت شامل ہوتی ہے۔"[14]

قرآن میں تنقیدی فکر کی اہمیت

قرآن کریم کی متعدد آیات میں تفکر وتدبر، نظر واستدلال اور تعقل کی دعوت دی گئی ہے جو انسانی سوچ کو مختلف انداز میں تحریک دیتی ہیں جن سے فوز وفلاح اور ہدایت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ یہی آیات تنقیدی فکر کی قرآنی اساس ہیں۔ ذیل میں چند آیات ذکر کی جاتی ہیں:

تفکر فی الخلق اور تنقیدی فکر

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾[15]

(بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں یقیناً عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں)

اس آیت میں انسانوں کو کائنات کے نظام میں تفکر و تدبر، مشاہدہ اور درست عقل کے استعمال کی طرف دعوت دی جارہی ہے جو تنقیدی فکر کی بنیاد ہے۔

دعوت نظر اور تنقیدی سوچ کا آغاز

﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾[16] (کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنائے گئے؟)

آیت مبارکہ میں سوالیہ طریقے سے انسان کو اللہ کی تخلیق میں تجزیہ، مشاہدہ اور استدلال کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو قرآنی تنقیدی فکر کی بنیاد کے طور پر نہایت اثر انگیز ہے۔

تدبر قرآن اور فکری جمود کا توڑ

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾[17]

(کیا وہ قران میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں)

یہ آیت مبارکہ اسلوبِ استفہام انکاری کے ذریعے تنقیدی فکر (Critical Thinking) کی اہمیت کو نہایت مؤثر انداز میں اجاگر کرتی ہے۔ اس میں محض قرآن کی تلاوت کے بجائے اس کے معانی، دلائل، حکمتوں اور ہدایات میں گہرے تدبر کی طرف راغب کیا جارہا ہے۔ آیت مبارکہ سے یہ نکتہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جو شخص غور و فکر سے اعراض کرتا ہے گویا اس کا دل حقائق سے مقفل ہو جاتا ہے۔

اقوال کا تجزیہ اور تنقیدی شعور

﴿الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ﴾[18] (وہ لوگ جو بات کو سنتے ہیں پھر اس کی بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں.) اس آیت مبارکہ میں مختلف اقوال و آراء کو سننے، ان کا تجزیہ کرنے اور پھر ان میں سے بہترین رائے کو اختیار کرنے کی تعلیم مل رہی ہے جو تنقیدی فکر کے مختلف مراحل کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

تشکیل علم (Knowledge Construction) کی تعریف

تشکیل علم سے مراد وہ تحقیقی اور فکری عمل ہے جس سے صرف معلومات کا حصول مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان معلومات کو سمجھ کر، پرکھ کر اور آپس میں جوڑ کر ایک منظم اور بامعنی علمی فہم میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

تشکیلِ علم وہ مسلسل عمل ہے جس میں انسان معلومات کو حاصل کر کے انہیں پرکھتا، ترتیب دیتا اور اپنے ذہنی ڈھانچے میں شامل کر کے ایک بامعنی فہم پیدا کرتا ہے۔[19]

قرآن میں علم کی تدریجی تشکیل

وحی کا آغاز سورۃ العلق سے ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور اس کے بعد علم کے تدریجی مراحل کا ذکر کیا۔ جس میں انسان کی تخلیق، وسائل علم اور جہالت ولاعلمی سے انسان کے تعلیمی سفر کا بیان ہے۔

﴿الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ- عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[20]

(وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

انسان میں علم درجہ بدرجہ تشکیل پاتا ہے حواس خمسہ سے شروع ہوتا ہے پھر انسان عقل کے ذریعے اس علم کا تجزیہ کرتا ہے۔

﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾[21]

(اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے)

تفسیر ابن عاشور کی روشنی میں اسلوب استفہام کا تجزیہ

استفہام توبیخی اور دعوت خود احتسابی

﴿أَتَأْمُرُونَ النّاسَ بِالبِرِّ وتَنْسَوْنَ أنْفُسَكم وأنْتُمْ تَتْلُونَ الكِتابَ أفَلا تَعْقِلُونَ﴾[22]

(کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟)

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں محض استفہام کی ایک قسم "توبیخ" (سرزنش و ملامت) کا ذکر نہیں کیا بلکہ ساتھ ساتھ اس کی عقلی و بلاغی توجیہات بھی بیان کی ہیں جس سے تحقیقی وتنقیدی منہج استدلال کی بہترین مثال سامنے آتی ہے۔

"والِاسْتِفْهامُ هُنا لِلتَّوْبِيخِ لِعَدَمِ اسْتِقامَةِ الحَمْلِ عَلى الِاسْتِفْهامِ الحَقِيقِيِّ فاسْتُعْمِلَ في التَّوْبِيخِ مَجازًا بِقَرِينَةِ المَقامِ وهو مَجازٌ مُرْسَلٌ لِأنَّ التَّوْبِيخَ يُلازِمُ الِاسْتِفْهامَ"[23]

(اور استفہام یہاں توبیخ کے لیے آیا ہے، کیونکہ اس کو حقیقی استفہام پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مقام و سیاق کے قرینہ کی بنا پر اسے مجازاً توبیخ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور وہ مجاز مرسل ہے کیونکہ توبیخ استفہام کو لازم وملزوم ہے۔)

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی تفسیر سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ ہر استفہام حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ سیاق و سباق سے اس کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔درست علمی نتائج کے حصول کے لیے ظاہری الفاظ کے ساتھ ساتھ قرائن اور سیاق وسباق پر غور وفکر بھی ضروری ہے۔

علامہ ابن عاشور آیت کی محض روایتی تفسیر بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انسان کو قرآن کے اسلوب استفہام کے ذریعے اپنی زندگی کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے خود احتسابی کی دعوت دیتے ہیں جس سے علم کا عملی پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

استفہام تشویقی اور مؤثر علمی ترسیل

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ هَلۡ أَدُلُّكُمۡ عَلَىٰ تِجَٰرَةٖ تُنجِيكُم مِّنۡ عَذَابٍ أَلِيمٖ﴾[24]

(اے مومنو کیا میں تمہاری ایسی تجارت کے بارے میں رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن عاشور استفہام بطور کنایہ عرض و تشویق کے معنی میں بیان کرتے ہیں قرآن کا یہ اسلوب قارئین کو عمل کی طرف برضا ورغبت مائل کرتا ہے۔

"والاِسْتِفْهامُ مُسْتَعْمَلٌ في العَرْضِ مَجازًا--- والعَرْضُ هُنا كِنايَةٌ عَنِ التَّشْوِيقِ إلى الأمْرِ المَعْرُوضِ، وهو دَلالَتُهُ إيّاهم عَلى تِجارَةٍ نافِعَةٍ"[25]

(اور استفہام مجازاً عرض (ترغیب و پیش کش) کے معنی میں استعمال ہوا ہے---اور عرض یہاں پیش کردہ معاملے کی تشویق سے کنایہ ہے اور وہ معاملہ ایک منافع بخش تجارت کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔)

قرآن میں استفہام کے الفاظ اکثر و بیشتر اپنے حقیقی معای سے مجازی معانی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح فہم تک رسائی کے لیے الفاظ کے ظاہری معنی سے نکل کر بلاغی معنی کا تجزیہ ضروری ہے۔

علامہ ابن عاشور اس بارے میں لکھتے ہیں:

"وألْفاظُ الاِسْتِفْهامِ تَخْرُجُ عَنْهُ إلى مَعانٍ كَثِيرَةٍ هي مِن مُلازِماتِ الاِسْتِفْهامِ"[26]

(اور استفہام کے الفاظ حقیقی معانی سے بہت سے معانی کی طرف منتقل ہوتے ہیں جو استفہام کے لوازمات میں سے ہیں۔)

قرآنی الفاظ کے معنی کے تعین میں بلاغت کے اصول نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں اسی طرح مخاطبین و متعلمین میں رغبت اور تشویق پیدا کرنے کے لیے سوالیہ انداز اختیار کرنا ایک مفید اور مؤثر تعلیمی منہج ہے جس سے متعلمین میں تنقیدی فکر بیدار ہوتی ہے۔

استفہام تعظیمی اور مؤثر تدریسی اسلوب

﴿ٱلۡحَآقَّةُ مَا ٱلۡحَآقَّةُ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلۡحَآقَّةُ﴾[27]

(حقیقت، کیا ہے حقیقت؟ اور تمھیں کیا خبر کہ کیا ہے حقیقت؟)

علامہ ابن عاشور نظم کلام اور بلاغت سے معنی اخذ کرتے ہوئے اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں جو تنقیدی مطالعہ کی راہ ہموار کرتی ہے۔

الحاقۃ کے لفظ کا تین بار تکرار اور سوالیہ انداز قرآنی الفاظ کے بہترین انتخاب اور ان میں مضمر حکمتوں پر دلالت کرتا ہے۔ یہ آیت حقیقی استفہام پر مبنی نہیں ہے بلکہ قیامت کی عظمت اور ہولناکی بیان کرنے کے لیے ہے۔

"و(ما) اسْمُ اسْتِفْهامٍ مُسْتَعْمَلٌ في التَّهْوِيلِ والتَّعْظِيمِ كَأنَّهُ قِيلَ: أتَدْرِي ما الحاقَّةُ ؟ أيْ ما هي الحاقَّةُ ؟، أيْ شَيْءٌ عَظِيمٌ الحاقَّةُ...وهو مِنَ الإظْهارِ في مَقامِ الإضْمارِ لِقَصْدِ ما في الاسْمِ مِنَ التَّهْوِيلِ"[28]

(اور (ما) اسم استفہام ہولناکی اور عظمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، گویا کہا گیا: 'کیا تم جانتے ہو کہ الحاقۃ کیا ہے؟' یعنی الحاقۃ ایک عظیم چیز ہے!۔۔۔اور یہاں ضمیر کے مقام پر اسم ظاہر کو لانا اسم میں موجود ہولناکی (تہویل) کے پہلو کو حاصل کرنا مقصود ہے۔)

اس اسلوب سے موضوع کی اہمیت کو درجہ بدرجہ اجاگر کیا جا رہا ہے۔ تفسیر ھذا کے اسلوب سے قرآنی بلاغت کی تفہیم کی علمی بنیاد واضح ہوتی ہے۔ نیز اس سے معلمین کے لیے یہ اصول متعین ہوتا ہے کہ طلبہ کے سامنے درس کی ابتدا میں موضوع کی اہمیت تکرار کے ساتھ اجاگر کی جائے اور سوالیہ انداز اختیار کرتے ہوئے ان کی توجہ اور فکری صلاحیتوں میں تحریک پیدا کی جائے۔

استفہام انکاری اور غیر معمولی حقائق کا ادراک

﴿فَأَشارَتْ إلَيْهِ قالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كانَ في المَهْدِ صَبِيًّا﴾[29]

(پس حضرت مریم نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرف اشارہ کیا، لوگ کہنے لگے بھلا ہم کیسے کلام کر سکتے ہیں اس سے جو گہوارے میں ہے بچہ ہے؟)

ابن عاشور رحمہ اللہ کی تفسیر سے یہ نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآن استفہامی طریقے سے مخاطب کے ذہن میں موجود غلط تصور کو خود اسی کے ذہن سے چیلنج کرواتا ہے۔ جو فکری خود تنقیدی (self-critique) متحرک کرنے کا ایک اہم طریقہ ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کا جلد بازی اور بحث ومباحثہ کے بجائے دلیل کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنا انسان میں یہ شعور بیدار کرتا ہے کہ شواہد ملنے سے پہلے حتمی فیصلہ کرنا اور محض مفروضات کی بنا پر کسی بات کی قطعیت مراد لینا درست نہیں۔

تنقیدی فکر انسان میں یہی شعور اجاگر کرتی ہے کہ یقینی فیصلہ دلائل اور شواہد کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔

" أشارَتْ إلى أنْ يَسْمَعُوا مِنهُ الجَوابَ عَنْ تَوْبِيخِهِمْ إيّاها وقَدْ فَهِمُوا ذَلِكَ مِن إشارَتِها۔۔۔والِاسْتِفْهامُ: إنْكارٌ؛ أنْكَرُوا أنْ يُكَلِّمُوا مَن لَيْسَ مِن شَأْنِهِ أنْ يَتَكَلَّمَ"[30]

(حضرت مریم نے اشارہ کیا کہ وہ ان کی ملامت کا جواب خود حضرت عیسیٰؑ سے سنیں۔ اور انہوں نے ان کے اشارے کو سمجھ لیا۔۔۔ اور استفہام یہاں انکار کے معنی میں ہے، یعنی ان لوگوں نے اس بات کا انکار کیا کہ وہ اس بچے سے بات کریں جو ان کے خیال میں بات نہیں کر سکتا تھا)

سوال سے علم تک پہنچنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے جیسے لوگوں کے انکاری سوال سے عیسیٰ علیہ السلام کا شیر خواری کی عمر میں کلام کرنے کا معجزہ ظاہر ہوا مزید برآں محض روایتی تجربہ علم کی بنیاد نہیں بن سکتا بلکہ اس کے لیے ٹھوس دلیل ضروری ہے۔

اسی طرح کسی بھی تحقیق میں بنیادی مآخذ کی طرف رجوع کرنا نہایت اہم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں کے سامنے اپنی براءت کا اعلان کرنے کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف براہ راست رجوع کرنے کا اشارہ کیا۔

اس سے یہ علمی نکتہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کشف حقیقت کے بعد اس کا یقین کرنے کے بجائے سابقہ آراء پر مصر رہنا علمی خیانت ہے۔

استفہام تہکمی اور تنقیدی شعور کی تشکیل

﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا ٱلْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ﴾[31]

(اور وہ کہتے یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو؟)

ابن عاشور رحمہ اللہ کی اس آیت کی تفسیر یہ واضح کرتی ہے کہ کسی دعوے کی قبولیت اور عدم قبولیت سے قبل اس میں مضمر نیت، مقصد اور انداز گفتگو کو تنقیدی انداز میں پرکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ حقیقت تک رسائی پانے کے لیے سنجیدہ علمی سوالات نہایت ضروری ہیں تاہم تمسخر اور استہزا پر مبنی سوالات محض ہٹ دھرمی کو مستحکم کرتے ہیں۔

تفسیر ھذا سے زبان و بیان کے تنقیدی مطالعہ کا بنیادی اصول بھی اخذ ہوتا ہے کہ الفاظ کی ظاہری ساخت اور اس کے مقصد حقیقی میں تعارض ہو سکتا ہے۔

"فَكانُوا يَسْأَلُونَهم هَذا الوَعْدَ اسْتِهْزاءً بِهِمْ بِقَرِينَةِ قَوْلِهِ ﴿إنْ كُنْتُمْ صادِقِينَ﴾، فالِاسْتِفْهامُ مُسْتَعْمَلٌ كِنايَةً عَنِ التَّهَكُّمِ والتَّكْذِيبِ...واسْمُ الإشارَةِ لِلْوَعْدِ مُسْتَعْمَلٌ فِي الِاسْتِخْفافِ بِوَعْدِ العَذابِ"[32]

(پس وہ کافر اس وعدے کے بارے میں مذاق اڑاتے ہوئے ان سے سوال کرتے جس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "اگر تم سچے ہو" تو یہاں استفہام تمسخر اور تکذیب کے لیے کنایۃً استعمال ہوا ہے...اسی طرح اسمِ اشارہ "ھذا" بھی عذاب کے وعدے کو حقیر سمجھنے کے معنی میں مستعمل ہے)

درست علمی نتائج کے حصول میں زبان کے بلاغی اسالیب جیسے کنایہ، تحکم اور استعارہ وغیرہ کی تفہیم نہایت ضروری ہے تاکہ سائل کے سوال کا مقصد معلوم ہو سکے۔

اس میں اساتذہ کے لیے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ وہ طلبہ کے سوالات کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے ان کے مطابق جوابات فراہم کریں نیز طلبہ کو یہ آداب سکھائے جائیں کہ تمسخر کے بجائے ادب اور احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے بامقصد سوالات کیے جائیں۔

استفہام تقریری اور اقرار حقیقت کی فکری تربیت

﴿قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدا﴾[33]

(فرعون بولا: کیا ہم نے تمھیں اپنے درمیان بچپن میں نہیں پالا؟)

آیت ھذا کی تفسیر سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ مؤثر سوال کے ذریعے مخاطب خود بخود حقیقت کا اقرار کر لیتا ہے کیونکہ بسا اوقات سوال کا مقصد جواب طلبی نہیں بلکہ مخاطب کو ایک خاص مطلوبہ نتیجے تک لانا مقصود ہوتا ہے۔ نیز علمی دیانت اس بات کی متقاضی ہے کہ حقائق کو تسلیم کر لیا جائے چاہے وہ مخالف شخص کی جانب سے ہی کیوں نہ ہوں۔

"والِاسْتِفْهامُ تَقْرِيرِيٌّ، وجُعِلَ التَّقْرِيرُ عَلى نَفْيِ التَّرْبِيَةِ مَعَ أنَّ المَقْصُودَ الإقْرارُ بِوُقُوعِ التَّرْبِيَةِ مُجاراةً لِحالِ مُوسى فِي نَظَرِ فِرْعَوْنَ إذْ رَأى فِي هَذا الكَلامِ جُرْأةً عَلَيْهِ لا تُناسِبُ حالَ مَن هو مَمْنُونٌ لِأُسْرَتِهِ بِالتَّرْبِيَةِ"[34]

(اور استفہام تقریری: استفہام تقریری کو تربیت کی نفی پر بنایا گیا باوجود اس کے کہ یہاں تربیت کے واقع ہونے کا اقرار مقصود ہے یہ اسلوب فرعون کی نظر میں موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے مطابقت رکھنے کی وجہ سے

ہے جب فرعون نے ان کے کلام میں اپنے اوپر جسارت کو دیکھا جو اس شخص کے حال کے مناسب نہیں ہوتی جو اپنے خاندان کا پرورش کی وجہ سے ممنون ہو)

علم کی توثیق اور اثبات حقیقت کے لیے استفہام تقریری ایک مؤثر تعلیمی اسلوب ہے، سوالات کا انداز ایسا ہونا چاہیے جن سے طلبہ میں تنقیدی شعور بیدار ہو اور وہ از خود ان کے جوابات اخذ کر سکیں

استفہام تعجبی اور تعلیمی و تنقیدی جہات

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الكِتَابِ﴾[35]

(کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا۔۔۔ الخ)

قران کا یہ اسلوب مخاطب سے جواب طلب نہیں کرتا بلکہ اس کی ذہنی بیداری(cognitive awakening) لیے بطور محرک کام کرتا ہے۔اس مضبوط تکنیک سے مخاطب چونک اٹھتا ہے اور حقیقت قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

تعجب کے ساتھ سوالیہ انداز مخاطب کو غور و فکر پر مجبور کرتا ہے جہاں سے تنقیدی فکر کی ابتدا ہوتی ہے۔

" فالِاسْتِفْهامُ فِي قَوْلِهِ "أَلَمْ تَرَ" لِلتَّقْرِيرِ والتَّعْجِيبِ، وقَدْ جاءَ الِاسْتِعْمالُ فِي مِثْلِهِ أنْ يَكُونَ الِاسْتِفْهامُ داخِلًا عَلى نَفْيِ الفِعْلِ والمُرادُ حُصُولُ الإقْرارِ بِالفِعْلِ لِيَكُونَ التَّقْرِيرُ عَلى نَفْيِهِ مُحَرِّضًا لِلْمُخاطَبِ عَلى الِاعْتِرافِ بِهِ"[36]

(پس اللہ تعالی کے اس فرمان "أَلَمْ تَرَ" (کیا تم نے نہیں دیکھا؟) میں استفہام تقریر اور تعجب کے لیے آیا ہے، اور اس جیسی مثالوں میں اس کا استعمال اس طور پر آیا ہے کہ استفہام فعل کی نفی پر داخل ہو رہا ہے اور مقصود فعل کے واقع ہونے کا اقرار حاصل کرنا ہے، تاکہ نفی پر مبنی تقریر سے مخاطب کو اس بات کے اعتراف کی طرف راغب کیا جائے۔)

آیت مبارکہ میں سوالیہ انداز کے ذریعے علم کی تشکیل ہو رہی ہے۔اس اسلوب سے طلبہ میں تنقیدی و تحریکی سوچ پیدا ہوتی ہے جس سے وہ غور وخوض کے نتیجے میں مسائل کا حل دریافت کر سکتے ہیں

استفہام توقیفی / تقریعی اور فکری اصلاح

﴿فَهَلْ وجَدْتُمْ ما وعَدَ رَبُّكم حَقًّا﴾[37]

(کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو برحق پایا؟)

علامہ ابن عاشور کی تفسیر سے یہ وضاحت ملتی ہے کہ غلط فیصلوں اور ہر ہٹ دھرمی کے نتائج پر غور و فکر کرنا تنقیدی فکر کی بنیادی علامت ہے جس سے انسان اپنے اعمال و افکار کا محاسبہ کرنے کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

بسا اوقات استفہامی اسلوب نفسیاتی وجذباتی اثر (emotional effect) پیدا کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔

ابن عاشور لکھتے ہیں:

"والاِسْتِفْهامُ في جُمْلَةِ فَهَلْ وجَدْتُمْ ما وعَدَ رَبُّكم حَقًّا مُسْتَعْمَلٌ مَجازًا مُرْسَلًا بِعَلاقَةِ اللُّزُومِ في تَوْقِيفِ المُخاطَبِينَ على غَلَطِهِمْ، وإثارَةِ نَدامَتِهِمْ وغَمِّهِمْ عَلى ما فَرَطَ مِنهم، ---وقَرِينَةُ المَجازِ هي: ظُهُورُ أنَّ أصْحابَ الجَنَّةِ يَعْلَمُونَ أنَّ أصْحابَ النّارِ وجَدُوا وعْدَهُ حَقًّا"[38]

(آیت ﴿فَهَلْ وَجَدْتُم مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ میں استفہام مجازِ مرسل کے طور پر علاقہ لزوم کے ساتھ استعمال ہوا ہے، مخاطبین (اہلِ جہنم) کو ان کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے، اور ان کی کوتاہی پر ان کے اندر ندامت اور غم کو پیدا کرنے کے لیے۔۔۔اس مجاز کا قرینہ یہ ہے کہ جنت والے جانتے تھے کہ جہنم والوں نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا ہے)

علم کی حقانیت کے اہم ذرائع تجربہ اور نتائج ہیں کسی کام میں بار بار غلطیاں کرنا اور ان کو سدھارنا علم میں پختگی اور ارتقا کو جنم دیتا ہے انجام پر غور کرنے سے بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نیز علم کی اصلاح بعض اوقات دلیل کے بجائے انجام کے مشاہدے سے بھی ہوتی ہے جیسے اہل نار اپنا انجام دیکھنے کے بعد حقیقت جان لیں گے۔

استفہام تسویہ اور تنقیدی شعور کی تربیت

﴿سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ أَدَعَوۡتُمُوهُمۡ أَمۡ أَنتُمۡ صَٰمِتُونَ﴾[39]

(برابر ہے تم پر تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو)

آیت بالا کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم انسان کو اپنے اعمال اور عقائد کا تنقیدی جائزہ لینے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ بے بنیاد وابستگیوں سے باہر نکل آئے جب انتہائی کوشش کے باوجود بھی کسی معاملے میں بہتری کی صورت دکھائی نہ دے تو اس کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہوتا ہے۔

"وأصْلُها هَمْزَةُ الِاسْتِفْهامِ اسْتُعْمِلَتْ في التَّسْوِيَةِ،---أيْ سَواءٌ دَعْوَتُكم إيّاهم وصَمْتُكم عَنِ الدَّعْوَةِ---لِأنَّ المَقْصُودَ مِنَ الكَلامِ هو تَأْيِيسُ المُخاطَبِينَ مِنَ اسْتِجابَةِ المَدْعُوِّينَ إلى ما يَدْعُونَهم إلَيْهِ لا الإخْبارُ"[40]

(اور اس کی اصل ہمزہ استفہام کو تسویہ میں استعمال کیا جانا ہے۔۔۔یعنی تمہارا انہیں پکارنا یا تمہارا خاموش رہنا برابر ہے۔۔۔ کیونکہ کلام سے مقصود مخاطبین میں پکارے جانے والوں کی جانب سے جواب سے مایوس کرنا ہے جن کو وہ لوگ پکار رہے ہیں نہ کہ خبر دینا)

علامہ ابن عاشور کی تفسیر سے مخاطبین کو اس بات کی تعلیم مل رہی ہے کہ انسان کو غیر موثر سہاروں سے وابستہ امیدوں اور توقعات کا تنقیدی اعتبار سے محاسبہ کرنا چاہیے یہ اسلوب اندھی تقلید اور جمود کو توڑتے ہوئے عقلی تجزیے کی طرف مدعو کرتا ہے اسی طرح معلمین کے لیے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی طریقہ تدریس کارآمد ثابت نہ ہو رہا ہو تو طریقہ تدریس کو اس سے بہتر اور موزوں انداز میں تبدیل کیا جائے تاکہ خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں اور غلط تصورات کو صحیح دلائل سے ترک کرکے علمی ارتقا کو ہموار کیا جاسکے۔

استفہام انکاری برائے تحضیض

﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغۡفِرَ ٱللَّهُ لَكُمۡۚ﴾[41]

(کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے)

درج بالا قرآنی استفہامی اسلوب انسان کو اپنے رویوں کا تنقیدی جائزہ لینے کی دعوت دیتا ہے کہ آیا وہ اپنے اندر لوگوں کو معاف کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟

استفہام انکاری کے ذریعے کبھی توبیخ اور کبھی ترغیب دلائی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معنی کا تعین موقع و محل اور کلام کے مقصود سے ہوتا ہے نہ کہ صرف ظاہری صیغے سے۔

ابن عاشور رقم طراز ہیں:

"والِاسْتِفْهامُ في قَوْلِهِ (ألا تُحِبُّونَ) إنْكارِيٌّ مُسْتَعْمَلٌ في التَّحْضِيضِ عَلى السَّعْيِ فِيما بِهِ المَغْفِرَةُ...زِيادَةٌ في التَّرْغِيبِ في العَفْوِ والصَّفْحِ"[42]

(اللہ تعالیٰ کے فرمان (أَلَا تُحِبُّونَ) میں استفہام، استفہامِ انکاری ہے، جو ترغیب کے لیے استعمال ہوا ہے اس کوشش پر جس کے ذریعے مغفرت حاصل ہو۔۔۔ جس سے عفو و درگزر کی ترغیب میں اضافہ مقصود ہے)

اخلاقی تربیت میں حکم دینے کے بجائے مخاطب کے مفاد سے استدلال کرتے ہوئے کسی بات کی طرف مائل کرنا زیادہ تاثیر رکھتا ہے۔

خود احتسابی کردار کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے اور علم کا تعلق محض معلومات کے حصول تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اصل علم عملی اخلاقیات سے مربوط ہوتا ہے، یہ

قرآنی استفہامی اسلوب مثبت رویوں کی تعلیم دیتا ہے نیز ترغیبی و تدریسی اسلوب طلبہ میں علمی و عملی جذبے کو متحرک کرتا ہے۔

استفہام عرض اور مسائل کے حل کی حکمت عملی

﴿هَلۡ أَدُلُّكُمۡ عَلَىٰٓ أَهۡلِ بَيۡتٖ يَكۡفُلُونَهُۥ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهُۥ نَٰصِحُونَ﴾[43]

(کیا میں تمہیں ایک ایسے گھر والوں کے بارے میں نہ بتاؤں جو اس کی تمہارے لیے کفالت کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں؟)

قرآن کا یہ اسلوب استفہام حساس حالات اور معاملات میں نرم اور حکیمانہ انداز گفتگو اپنانے کی تعلیم دیتا ہے جو تنقیدی فکر کی بہترین مثال ہے نیز اس سے یہ فکر بھی اجاگر ہوتی ہے کہ درست معلومات کے ساتھ ساتھ الفاظ کا بہترین چناؤ اور انداز بیان کسی مسئلے کے حل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ اصول مذاکراتی اور سفارتی مواصلات (diplomatic communication) بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

"وعَرَضَتْ سَعْيَها في ذَلِكَ بِطَرِيقِ الِاسْتِفْهامِ المُسْتَعْمَلِ في العَرْضِ تَلَطُّفًا مَعَ آلِ فِرْعَوْنَ وإبعادًا لِلظِّنَّةِ عَنْ نَفْسِها"[44]

(اور موسیٰؑ کی بہن نے اپنی کوشش کو استفہام (خدمت) کے انداز میں پیش کیا۔ جو پیشکش کے انداز میں استعمال کیا گیا، تاکہ آلِ فرعون کے ساتھ نرمی اختیار کی جائے، اور اپنی ذات سے شک وشبہ کو دور کیا جاسکے)

موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا یہ دانشمندانہ استفہامی اسلوب مقصد کے حصول اور سچائی کے تحفظ کو بیک وقت ممکن بناتا ہے۔ نیز حساس معاملات میں تجویز پیش کرنے سے مخاطب بیرونی دباؤ کم محسوس کرتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتا ہے، یہ اصول مذاکرات اور مشاورت میں بہترین حکمت عملی ثابت ہوتا ہے۔

معلمین و داعیین، مخاطب کی نفسیات اور موقع محل کی مناسبت سے اگر بہترین اسلوب اختیار کریں تو بات کی قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح مد مقابل کی طرف سے خطرات اور بدگمانی سے بچنے کے لیے حکیمانہ انداز گفتگو نہایت مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

نتائج بحث

تحقیقی مقالہ کے نتائج تحقیق درج ذیل ہیں:

1. تفسیر التحریر والتنویر کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کا استفہامی اسلوب مختلف معانی اور مقاصد پر مشتمل ہے۔
2. ان اسالیب میں انکاری، تقریری، تحضیضی، تقریعی اور تعجبی وغیرہ شامل ہیں۔
3. قرآنی استفہامی آیات میں ہمیشہ جواب طلبی نہیں پائی جاتی بلکہ ان کے ذریعے بنی آدم کو خود احتسابی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور حصول ہدایت میں معاونت ملتی ہے۔

4. قرآن حکیم کا اسلوبِ استفہام محض نحوی یا سوالیہ ساخت تک منحصر نہیں بلکہ ایک دقیق بلاغی اور فکری نظام ہے جو انسانی عقل کی بیدار کرنے اور اسے تنقیدی فکر (Critical Thinking) کی طرف متوجہ کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔
5. ابن عاشور رحمہ اللہ کے مطابق قرآن کا یہ اسلوب استفہام انسانی عقل کو جمود سے نکال کر تدبر، استدلال اور نتائج اخذ کرنے کی جانب متوجہ کرتا ہے۔
6. تحقیقی مقالہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ قرآنی استفہامی خطاب میں علم کو محض جامد معلومات کے طور پر نہیں بلکہ ایک متحرک عمل کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو سوال، تجزیہ اور غور و فکر کے ذریعے تشکیل پاتا ہے۔
7. ابن عاشور رحمہ اللہ کی تفسیر اسلوبِ استفہام کے ذریعے علمی تشکیل (Knowledge Construction) کے اس اصول کو پختہ کرتی ہے کہ علم نقل کے ساتھ ساتھ عقل کی فعال شرکت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن کریم کا اسلوب استفہام انسان کو ایک ایسے تحقیقی منہج کی طرف لے جاتا ہے جو جدید تنقیدی فکر کے اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔

حواشی

[1]العلي، هيا ثامر مفتاح، الشيخ محمد الطاهر بن عاشور ومنهجه في تفسيره التحرير والتنوير، (الدوحة: دار الثقافة، 1994م) ص 19

[2]الغالي ، الدكتور. بلقاسم ، شيخ الجامع الأعظم محمد الطاهر بن عاشور:حياته وآثاره (دمشق : دار الفكر، 1997م) ص35

[3]خالد الطباع ، محمد الطاهر بن عاشور علامة الفقه وأصوله ، والتفسير وعلومه. (دمشق: دار القلم, الطبعة الثالثة, 1997م). ص7

[4]مقدمة تفسير التحرير والتنوير ، ج 1 ، ص 8

[5]ابن عاشور ، محمد الطاهر ، التحرير والتنوير ، ج 1 ، ص 13

[6]ابن منظور جمال الدين محمد بن مكرم،لسان العرب،(دار الفكر بيروت،الطبعه الثانيه)،459:12.

[7]ایضاً 12/459

[8]یوسف، عبدالكريم محمود،اسلوب الاستفهام في القرآن الكريم،توزيع مكتبه الغزالي،ط2000،ص:8

[9]السیوطی: جلال الدین عبدالرحمن بن أبی بکر, الأشباه والنظائرفی النحو, تحقیق الدکتورعبدالعال سالم مکرم (ط مؤسسة الرسالة بيروت،1985ء،)،43:7

[10]البلخي،محمدإبراهيم محمدشريف، أساليب الاستفهام فی البحث البلاغي وأسرارها فی القرآن الکريم،الجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد

[11]علي بن هادية وآخران،القاموس الجديد للطالب،(ط 7 ، الجزائر، .1991)،ص1243

[12]ایضاً

[13]Paul, Richard, and Linda Elder. The Miniature Guide to Critical Thinking: Concepts and Tools. Foundation for Critical Thinking, 2008.

[14]Facione, Peter A. Critical Thinking: A Statement of Expert Consensus for Purposes of Educational Assessment and Instruction. Millbrae, CA: The California Academic Press, 1990.

[15] آل عمران،190:3

[16] الغاشیه،17:88

[17] محمد،24:47

[18] الذمر،18:39

[19]Dale H. Schunk, Learning Theories: An Educational Perspective, (6th ed. Boston: Pearson, 2012).

[20] العلق،96: 4-5

[21] النحل 78:16

[22] البقرة،44:2

[23]ابن عاشور،محمد الطاهر،التحرير والتنوير،(الدار التونسية للنشر، تونس،ط1404هـ)،1: 474-475

[24] الصف،10:61

[25]التحریر و التنویر،28: 193-194

[26]ایضا،194:28

[27] الحاقة، 69: 1-3

[28]ایضاً،113:29

[29] مريم،29:19

[30]ایضاً،97:16

[31] يس،48:36

[32]ایضاً،33:23

[33] الشعراء،18:26

[34]ایضاً،111:19

[35] آل عمران،23:3

[36]ایضاً،208:3

[37] الاعراف،44:7

[38]ایضاً،136:8

[39] الأعراف،193:7

[40]ایضاً،9: 218-219

[41] النور،22:24

[42]ایضاً،18: 189-190

[43] القصص،12:28

[44]ایضاً،84:20

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

ابن عاشور،محمد الطاهر،التحرير والتنوير،(الدار التونسية للنشر، تونس،ط1404ھ
ابن منظور جمال الدين محمد بن مكرم،لسان العرب،دار الفكر بيروت،الطبعه الثانيه
البلخي،محمدإبراهيم محمدشريف، أساليب الاستفهام فى البحث البلاغي وأسرارها فى القرآن الكريم،الجامعة الإسلامية العالمية
بإسلام آباد

السيوطى،جلال الدين عبدالرحمن بن أبى بكر،الأشباه والنظائرفى النحو، تحقيق الدكتورعبدالعال سالم مكرم ط مؤسسة الرسالة،بيروت،1985ء

العلي، هيا ثامر مفتاح، الشيخ محمد الطاهر بن عاشور ومنهجه في تفسيره التحرير والتنوير، الدوحة: دار الثقافة، 1994م

الغالي ، الدكتور. بلقاسم ، شيخ الجامع الأعظم محمد الطاهر بن عاشور:حياته وآثاره ،دمشق،دار الفكر، 1997م

خالد الطباع ، محمد الطاهر بن عاشور علامة الفقه وأصوله ، والتفسير وعلومه- دمشق،دار القلم, الطبعة الثالثة، 1997م

علي بن هادية وآخران،القاموس الجديد للطالب،ط7 ،الجزائر،1991م

مقدمة تفسير التحرير والتنوير

يوسف، عبدالكريم محمود،اسلوب الاستفهام في القرآن الكريم،توزيع مكتبه الغزالي،ط2000

Paul, Richard, and Linda Elder. The Miniature Guide to Critical Thinking: Concepts and Tools. Foundation for Critical Thinking, 2008.

Facione, Peter A. Critical Thinking: A Statement of Expert Consensus for Purposes of Educational Assessment and Instruction. Millbrae, CA: The California Academic Press, 1990,

Dale H. Schunk, Learning Theories: An Educational Perspective, (6th ed. Boston: Pearson, 2012).